عہد حاضر میں عربی کی ضرورت اور اس کا تاریخی پس منظر

☆ڈاکٹر انصار الدین مدنی

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو اپنا مافی الضمیر دوسروں تک منتقل کرنے کی صفت سے متصف کیا ہے۔ ظاہر ہے مخلوقات کا رہن سہن اور جسمانی ساخت مختلف ہونے کی وجہ سے ان کا انداز تکلم اور طریقہ تکلم بھی مختلف ہے۔ بے شمار مخلوقات کی ان گنت زبانیں ہیں، انتقال جذبات کے لیے یہی زبانیں کام آتی ہیں۔ مثلاً انسانوں کی زبان، چوپائیوں کی زبان، پرندوں کی زبان، درختوں اور پودوں کی زبان، پتھر وغیرہ کی زبان۔ اس اعتبار سے ان زبانوں کا ایک مخصوص دائرے میں رائج ہونا عقلی طور پر قابل تسلیم ہے۔ مگر بعض اوقات غیر اہم جنس ان زبانوں کو سمجھتا ہے اس صورت میں اسے معجزہ کہا جاتا ہے۔ ذیل میں کچھ حوالے اس ضمن میں پیش کیے جا رہے ہیں:

سورۃ النمل میں ارشاد ہوتا ہے:

وورث سلیمن داود وقال یایھاالناس علمنامنطق الطیر واوتینامن کل شیء ان ھذالھو الفضل المبین۔

اور پھر سلیمان داود کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا کہ لوگو مجھے پرندوں کی باتوں کا علم دیا گیا ہے اور ہر فضیلت کا ایک حصہ عطا کیا گیا ہے اور یہ خدا کا کھلا ہوا فضل وکرم ہے۔(۱)

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی گفتگو کو سمجھتے تھے اور انہیں ان کی زبان میں سمجھاتے بھی تھے اور اپنی سلطنت کی وسعت اور استحکام کے لیے ان کی خدمات سے فائدہ بھی لیے تھے۔ اس کا ثبوت مندرجہ ذیل آیات سے بھی ملتا ہے۔

فمکث غیر بعیدفقال احطت بمالم تحط بہ وجئتك من سبابنبایقین۔انی وجدت امراۃ تملکھم واوتیت من کل شیء ولھاعرش عظیم۔

☆ڈین کلیہ علوم اسلامی، گرینج یونیورسٹی کراچی

پھر تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ہدہد آ گیا۔ اس نے کہا کہ مجھے ایک ایسی بات معلوم ہوئی ہے جو آپ کو بھی معلوم نہیں ہے اور میں ملک سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا ہے جو سب پر حکومت کر رہی ہے اور اسے دنیا کی ہر چیز حاصل ہے اور اس کے پاس بہت بڑا تخت بھی ہے۔ (۲)

مذکورہ آیات میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں سے ہم کلام ہونے کا ذکر ملتا ہے اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ پرندے بھی اپنے دل و دماغ کی ترجمانی کے لیے زبان کا سہارا لیتے ہیں اور زبان کے قواعد و ضوابط سے آشنا ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صرف پرندوں کی حد تک زبان سے واقف نہیں تھے بلکہ آپ علیہ السلام حشرات الارض اور دوسری مخلوقات کی زبانوں کو بھی جانتے تھے۔ اختصار اصرف ایک آیت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

وحشر لسلیمن جنوده من الجن والانس والطیر فهم یوزعون۔ حتی اذا اتوا علی وادالنمل قالت نملة یاایهاالنمل ادخلوا مسکنکم لایحطمنکم سلیمن وجنوده وهم لایشعرون۔ فتبسم ضاحکامن قولها۔۔۔

اور سلیمان کے لیے ان کا تمام لشکر جنات انسان اور پرندے سب اکٹھا کیے جاتے تھے تو بالکل مرتب منظم کھڑے کر دیے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ وادی نمل تک آئے تو ایک چیونٹی نے آواز دی کہ چیونٹیو سب اپنے اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں پامال نہ کر ڈالے اور انہیں اس کا شعور بھی نہ ہو۔ سلیمان اس کی بات پر مسکرا دیئے۔ (۳)

حضرت سلیمان علیہ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اذن خدا سے تمام مخلوقات کی بولیوں کو سمجھتے تھے۔ مثلاً سورۃ الاحقاف میں آیا ہے۔

واذ صرفنا الیك نفرا من الجن یستمعون القران فلماحضروه قالوا انصتوا فلماقضی ولوا الی قومهم منذرین۔ قالو یقومنا اناسمعنا کتبا انزل من بعدموسی مصدقالمابین یدیه یهدی الی الحق والی طریق مستقیم۔

اور جب ہم نے جنات میں سے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ قرآن سنیں تو جب وہ

حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموشی سے سنو پھر جب تلاوت تمام ہوگئی تو فوراً پلٹ کر اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر آ گئے۔ کہنے لگے کہ اے قوم والو ہم نے ایک کتاب کو سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے یہ اپنے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور حق و انصاف اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والی ہے۔(۴)

سیرت نگاروں نے مذکورہ آیات پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ابن کثیر ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھتے ہیں''رسول اللہ کی زبان مبارک سے جنات کا قرات قرآن سننے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب آپ طائف سے واپسی کے بعد ایک روز اپنے صحابہ کے ساتھ ایک درخت کے سائے میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جن جنات نے آپ کی زبان مبارک سے اس وقت تلاوت قرآن پاک سنی ان کی تعداد سات تھی''۔(۵) مولانا روم اپنی حکایت لکھتے ہیں''حضرت موسیٰ سے ایک نوجوان نے جانوروں کی زبان سیکھنے کی خواہش کی تاکہ وحشی و اہلی جانوروں کی آوازوں سے خدا کی معرفت حاصل کرے کیوں کہ بنی آدم کی ساری زبانیں تو کھانے پینے اور مکر و فریب ہی کے کام میں لگی رہتی ہیں۔ممکن ہے جانور اپنی شکم پری کی اور کچھ تدبیریں کرتے ہوں۔موسیٰ نے کہا کہ اس ہوس سے باز آ، کیوں کہ اس میں طرح طرح کے خطرے ہیں۔بجائے کتاب و گفتار کے معرفت، خدا سے طلب کر۔ مگر جس قدر حضرت نے اس کو منع کیا اسی قدر اس کا شوق زیادہ ہوگیا اور قاعدہ ہے کہ جس بات کو منع کیا جائے اسی کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔اس نے عرض کی کہ یا حضرت جب سے آپ کا نور چمکا ہے ہر چیز کی استعداد کھل گئی ہے۔ مجھے اس مقصد سے محروم کرنا آپ کی مہر و محبت سے دور ہے۔آپ خدا کے قائم مقام ہیں اگر مجھے اس تحصیل سے روک دیں تو میں مایوس ہو جاؤں گا۔ حضرت موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ اے خدائے بے نیاز معلوم ہوتا ہے کہ اس عقل مند آدمی کو شیطان مردود نے کھلونا بنالیا ہے۔اگر اسے میں سکھادوں تو اس کے ساتھ برائی ہوتی ہے اور اگر نہ سکھاوں تو اس کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔خدا کا حکم ہوا کہ اے موسیٰ تم اسے سکھاو کیوں کہ ہم نے اپنے کرم سے کبھی کسی کی دعا رد نہیں کی ہے۔(۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب نمائندوں کو اپنی مخلوق کی بولیوں کو سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت

عطا فرمائی تھی۔اب تک کی بحث سے یہ تو ثابت ہوا کہ انسانوں کے علاوہ جتنے بھی مخلوقات ہیں وہ اپنی ایک زبان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ ان کی زبان سمجھ سکیں۔اسی تناظر میں جب ہم انسان کی تخلیقی ساخت کو دیکھتے ہیں تو زبان، بہرحال دل ودماغ کی ایک بہترین ترجمان ہے۔اور یہ ترجمانی تب ممکن ہے جب زبان مناسب حروف والفاظ استعمال کرے۔ظاہر ہے ان حروف والفاظ سے کلمات اور پھر نظم ونثر کے عظیم الشان شاہکار بنتے ہیں۔سورۃ الرحمٰن میں ہے:

خلق الانسان۔علمه البيان۔

انسان کو پیدا کر کے اس کو گویائی سکھائی۔(۷)

دوسری جگہ آیا ہے:

الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔

جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔(۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا پھر انہیں بیان کے طریقے اور سلیقوں سے بھی آگاہ فرمایا۔اس میں زبان سے، قلم سے، اشاروں سے وہ اپنے مقاصد کو بلکہ دقیق علمی مضامین کو بھی مختلف عنوانات دے کر دوسروں کو سمجھا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ حیوانات سے خصوصی امتیاز رکھتا ہے۔

اس بات کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان صرف صفت گویائی سے متصف نہیں کیا ہے بلکہ اسے سنی ہوئی بات یا لکھی ہوئی بات پر غور وفکر کر کے نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت سے بھی نوازا ہے۔اور یہی صفت اس کو اشرف المخلوق بناتی ہے۔

جہاں تک انسانوں کے درمیان جو مختلف زبانیں مروج ہیں تو اس کے متعلق یہ قانون قدرت ہے کہ:

ومن ايته خلق السموت والارض واختلاف السنتكم والوانكم ان فی ذلك لايت للعلمين۔

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کی خلقت اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف بھی ہے کہ اس میں صاحبان علم کے لیے بہت سی نشانیاں پائی جاتی ہیں(۹)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اختلاف لغت بھی اللہ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

اس وقت دنیا میں جو مروجہ زبانیں بولیاں جاتی ہیں وہ یقیناً بے شمار ہیں اور ان کا اپنا ایک دائرہ اثر ہے۔ عربی زبان وادب جہاں اقوام عالم کی منتخب زبانوں میں شامل ہے وہاں اس کا ایک مذہبی پس منظر بھی ہے جس کی رو سے یہ عالمین کی زبان سمجھی جاتی ہے۔

عربی زبان وادب کا مذہبی پس منظر:

وعلم ادم الاسمآء کلھاثم عرضھم علی الملئکة فقال انبونی باسمآء ھٰؤلآء ان کنتم صدقین۔

اور خدا نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی اور پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ کہ ذرا تم ان سب کے نام تو بتاؤ اگر تم اپنے خیالی استحقاق میں سچے ہو۔(۱۰)

مذکورہ آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ تمام کاروائی عربی زبان میں اور حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آنے سے پہلے عربی زبان بولتے تھے۔ چنانچہ" حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جنت میں آدم علیہ السلام کی زبان عربی ہی تھی۔ پھر ان سے شجر ممنوعہ کے کھانے میں لغزش ہوئی تو یہ زبان سلب کر لی گئی۔ سریانی زبان بولنے لگے۔ پھر توبہ قبول ہونے کے بعد واپس کر دی گئی اور یہی عربی زبان وہ دنیا میں بولتے تھے"۔(۱۱)

دوسری جگہ آیا ہے:

احبوا العرب لثلاث فانی عربی والقران عربی ولسان اھل الجنة عربی۔

یعنی عربی زبان سے تین وجوہ کی بناء پر محبت کرنی چاہیے۔ ایک یہ کہ میں عربی ہوں۔ دوسرے قرآن عربی ہے۔ تیسرے اہل جنت کی زبان عربی ہے۔(۱۲)

"آسمانی کتابیں اور صحائف جتنے بھی نازل ہوئے ان کی اصل زبان عربی تھی۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کی زبان میں اس کا ترجمہ کر کے ان کو پہنچایا ہے ان میں سے صرف قرآن ایسی کتاب ہے جو اپنی اصلی زبان یعنی عربی میں باقی ہے۔ قرآن کریم نے جہاں اس کا ذکر کیا ہے کہ دنیا کی ہر قوم کے لیے ہدایت اسی کی زبان میں بھیجی گئی ہے وہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہر قوم کا رسول اور پیغمبر اسی قوم کا ہم زبان بھیجا گیا ہے یہ نہیں فرمایا کہ ہر قوم کی کتاب اس کی زبان میں بھیجی گئی"۔(۱۳)

''تمام آسمانی فرشتوں کی زبان کا بھی عربی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ برزخ (قبر) میں بھی فرشتوں کا سوال وجواب سب عربی میں ہوگا''۔(۱۴)

مذکورہ اقتباسات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو نظام ہدایت کے لیے ذریعہ قرار دیا ہے تبھی تو فرشتے اور اللہ کے مصطفیٰ بندے عربی زبان سے واقف تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر جو کتاب نازل کی وہ عربی زبان میں ہے۔ چنانچہ سورۃ الشوریٰ ارشاد ہوتا ہے:

وکذلك اوحینا الیك قرانا عربیا لتنذرام القریٰ ومن حولها وتنذریوم الجمع لاریب فیه فریق فی الجنة وفریق فی السعیر۔

اور ہم نے اسی طرح آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن کی وحی بھیجی تا کہ آپ مکہ اور اس کے اطراف والوں کو ڈرائیں اور اس دن سے ڈرائیں جس دن سب کو جمع کیا جائے گا اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اس دن ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک جہنم میں ہوگا۔(۱۵)

ظاہر ہے قرآن مجید قیامت تک کے لیے نظام ہدایت ہے اور قرآن مجید سے ہدایت لینے کے لیے عربی زبان سے واقفیت ضروری ہے۔ سرسید احمد خان کہتے تھے ''مسلمانوں کو بھی لازم ہے کہ عربی زبان کی تحصیل نہ چھوڑیں ہمارے باپ دادا کی مقدس زبان اور ہماری قدیم ملک کی زبان ہے جو فصاحت وبلاغت میں سمنک زبانوں میں لاثانی ہے مگر افراط وتفریط نہ ہو۔ اس زبان میں ہمارے مذہب کی ہدایتیں ہیں''۔(۱۶)

عربی زبان وادب کا تاریخی پس منظر:

لفظ ادب کی تاریخ گو کہ قدیم ہے مگر اپنے وسیع تر مفہوم کی بنیاد پر عادت، سنت، دستور زندگی، سنت نبویؐ، معیار شائستگی ونفاست، آئین مہمانداری وضیافت، علوم وفنون یعنی فن شعر، فن خطابت، عربوں کی پرانی تاریخ ومعاشرتی روایات وغیرہ کو احاطہ کیا ہوا تھا۔ جب کہ دور جدید میں ادب سے مراد کسی بھی زبان کے تحریری سرمایہ کو کہتے ہیں۔ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''اُدباء نے ادب کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے کہ ادب نام ہے اشعار واخبار عرب کے یاد کر لینے کا۔ اور ساتھ ساتھ ہر علم سے ضروری ضروری معلومات بھی بہم پہنچائی جائے۔ یعنی علوم

لسانیہ سے بھی اور علوم شرعیہ سے بھی۔ جن میں متون کی صورت میں قرآن وحدیث کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے"۔(۱۷)

جب کہ ابن خلدون ادب کو موضوع بحث بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس علم کا کوئی خاص موضوع نہیں کہ اس کے عوارض کے ثبوت یا نفی پر غور وخوض کی جائے۔ اس کا ثمرہ وفائدہ قابل لحاظ ہے۔ وہ یہ کہ اس کے ذریعہ انسان نظم ونثر عربی پر پوری پوری قادر الکلامی حاصل کرے، اور زبان وقلم کا ذھنی ہو جائے۔ اور یہ صورت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ ادباء عرب کے بلند طبقہ کے اشعار وسجع عبارات کا پتہ لگا کر ان کو یکجا جمع کرتے ہیں۔ اور بیچ بیچ میں مسائل لغت ونحو پر بھی نظر تحقیق ڈالتے جاتے ہیں۔ تاکہ مطالعہ کرنے والے کی نظر زیادہ سے زیادہ قوانین عربیہ پر پڑ جائے۔ ساتھ ساتھ ایام عرب کے ذکر کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ کیونکہ اس کے ذیل میں اشعار کے محاسن وخوبیاں بھی کھلتی ہیں۔ پھر انساب واخبار کے ذکر سے بھی نظر نہیں چراتے۔ ان سب امور کے تذکرہ سے مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ ان کو مطالعہ کرنے والا کلام عرب کے اسلوب اور ان کے طریق بلاغت سے پوری پوری شناسائی حاصل کرلے۔ کیونکہ جب تک ان چیزوں پر تفصیلی نظر نہ پڑ جائے، زبان میں ملکہ نہیں پیدا ہوتا"۔(۱۸)

آگے چل کر زبان پر ملکہ حاصل کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:

"زبان صنعت کی طرح ایک ملکہ ہے۔ یہ ملکہ جس قدر ناقص ہوتا ہے اسی قدر معانی ومطالب کی ادائیگی میں اچھائی وبرائی سے فرق آتا جاتا ہے۔ پھر نفس مفردات لغوی سے یہ ملکہ نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں تراکیب کلام کی شناخت لابدی ہے۔ جب متکلم کو یہ مہارت حاصل ہو جائے کہ معانی مقصودہ کو مقتضائے حال کے مطابق الفاظ مفردہ کی ترکیب سے ادا کرسکے تو وہ بلاغت کے اعلی مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے، اور سامع کو اپنا مقصد بحسن وخوبی سمجھا سکتا ہے۔ اور یہ امر بھی ظاہر الثبوت ہے کہ تمام ملکات تکرار فعل سے حاصل ہوتے ہیں۔ شروع شروع میں فعل کے صادر ہونے سے نفس میں ایک صفت پیدا ہوتی ہے۔ پھر تکرار فعل سے وہ حال بن جاتی ہے۔ پھر فعل کے مزید صدور سے حال صفت راسخہ بن کر ملکہ کہلاتا ہے۔ بالکل جس طرح ایک بچہ مفردات کو معانی میں استعمال کرتے ہوئے سنتا ہے، اور اس کو سیکھ جاتا ہے۔ پھر تراکیب سے واقفیت حاصل

کرتا ہے اور ان کو بھی سیکھ لیتا ہے۔ اسی طرح عرب اپنے اہل زمانہ کو کلام کرتے سنتے ہیں۔ گفتگو میں ان کے اسالیب کو اور تعبیر مقاصد میں ان کی مختلف کیفیات کو سمجھتے ہیں۔ پھر بار بار ہر متکلم سے انہیں چیزوں کو گوش گذار کرتے ہیں اور ان کے استعمال کو پے در پے دیکھتے ہیں تو ان میں بھی صفت راسخہ کی صورت میں کلام کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یوں ہی ایک سے ایک سیکھتے سیکھتے ایک زبان ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتی ہے، اور عرب سے عجم۔ بڑوں سے بچے سیکھ جاتے ہیں۔ اسی لیے عام طور سے مشہور ہے کہ عرب کو بالطبع زبان کا ملکہ حاصل ہے۔ یعنی ان سے دوسروں نے سیکھا، انہوں نے اس کو کسی سے نہیں سیکھا۔ (۱۹)

صاحب معارف اسلامیہ لکھتے ہیں:

''ایک مدت تک علم الادب سے مراد علم العربیہ ہی تھی۔ غالباً چھٹی صدی ہجری کے ادبا نے علم الادب کو علم العربیہ کی قید سے نجات دلائی اور فارسی یا کسی اور زبان کی تحصیل تدریس کو بھی ادب کا رتبہ نصیب ہوا۔ تاہم ادب میں تعلیم زبان و بیان کے علاوہ، سلیقہ اور حسن اخلاق کا مفہوم تب بھی زندہ رہا اور آج تک زندہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ علوم الادبیہ سے اولاً مراد عربی زبان سکھانے کے لیے وضع شدہ فنون مراد ہیں اور ثانیاً وسیع تر مفہوم میں کسی بھی زبان فارسی ترکی اردو وغیرہ میں کامل استعداد پیدا کرنے والے فنون۔ انہیں فنون ادبیہ بھی کہا جاتا تھا''۔ (۲۰)

مذکورہ روایات کی روشنی میں اگر ہم عربی زبان کو بقیہ تمام زبانوں کا مبداء کہیں تو غلط نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ اہل لغت نے ہمیشہ اس بات کا اہتمام کیا کہ غیر عربی الفاظ اس زبان کا حصہ نہ بنے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ:

''جب اسلامی فتوحات کا دائرہ اکناف ارضی تک پھیلا اور عجمی اقوام حلقہ بگوش اسلام ہوئیں تو عربی اور عجمی زبانوں کے امتزاج سے عربی زبان بگڑ گئی، حتیٰ کہ شہری حلقے بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہری زبان استناد و اعتماد کے قابل نہ رہی۔ اب عربی زبان کے محافظ علماء اس بات کے لیے مجبور ہوئے کہ دیہات میں جا کر خالص اور فصیح عربی سیکھیں، جو ہنوز ہر قسم کے اختلاط سے پاک تھی۔ بنابریں ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے لغت کی ایک کھیپ فصیح عربی سیکھنے کے لیے دیہات کا رخ کرتی ہے اس سلسلے میں متعدد ممتاز علماء کا نام لیا جا سکتا ہے، مثلاً خلیل بن احمد (م

۱۷۰ یا ۱۷۵ھ)، خلف الاحمر (م ۱۸۰ھ)، یونس بن حبیب الضبی (م ۱۸۲ھ)، الکسائی (م ۱۸۹ھ)، النضر بن شمیل (م ۲۰۴ھ)، الاصمعی (م ۲۱۵ھ)، ابوزید الانصاری (م ۲۱۵ھ)، ابن دُرَید (م ۳۲۱ھ)، الازہری (م ۳۷۰ھ)، الجوہری (م ۳۹۵ھ) وغیرہ"۔(۲۱)

اس کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

"عرب کے فصیح بادیہ نشینوں کے ساتھ ان علمائے لغت کے ربط واتصال نے پہلے تدوین لغب اور آگے چل کر لغت نویسی کی بناء ڈالی۔ اس طرح عربی زبان ہمیشہ کے لیے آمیزش واختلاط سے محفوظ ہوگئی۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ غیر فصیح اور غلط الفاظ کی شمولیت سے زبان کی پاکیزگی مجروح ہورہی ہے، عربی کے کلمات صحیحہ کو ان کے اصلی مصادر وماخذ سے اخذ کر کے جمع کرلیا۔ پھر بعد میں آنے والوں نے اس لغوی ورثے کو حرز جان بنا کر سنبھالا اور محفوظ کرلیا۔ حفاظت زبان کے سلسلے میں وہ اس قدر حساس تھے کہ وہ جس کلمے یا محاورے کو غلط اور غیر تصور کرتے تھے، خواہ وہ بجائے خود فصیح بھی کیوں نہ ہو، اس کے استعمال کو انہوں نے ناجائز قرار دیا۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے تھے کہ عربوں نے اس کلمے کو اس طرح استعمال نہیں کیا"۔(۲۲)

اس لحاظ سے یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان کو کچھ ایسے مخلوص اور حساس طبیعتوں کے افراد ہر زمانے میں ملے جنہوں نے اپنی زبان کی حفاظت کے لیے مشکلات کا ڈٹ کر سامنا کیا اور زبان کو ملاوٹ سے پاک رکھا۔

"عرب عصر جاہلیت ہی سے اپنی زبان کی حفاظت کا بڑا اہتمام کرتے تھے، جس میں ظہور اسلام کے بعد اور بھی اضافہ ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عربی اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی زبان قرار پائی"۔(۲۳)

جب نظام ہدایت کا پورا ضابطہ حیات عربی میں نازل ہوا تو عربی زبان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوا اور مسلمانوں میں ایسے ایسے جید القدر علماء پیدا ہوئے جن کی کاوشیں یقیناً عربی زبان وادب کا اثاثہ ثابت ہوئیں۔ مثلاً

"عہد نبوت، وخلافت راشدہ میں تفسیر قرآن اور غریب الحدیث کی شرح وتوضیح کے لیے کتب لغت کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں، مگر یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ یہ ضرورت اس وقت کے علماء سے

پوری کی جاتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شعر عربوں کا دیوان ہے۔ جب قرآن کے کسی لفظ کا مفہوم ہمیں معلوم نہ ہوتا تو ہم اشعار کی طرف رجوع کرتے۔ جب قرآن کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو شعروں میں تلاش کیجیے، اس لیے کہ اشعار عربی ہیں"۔ (۲۴)

نتیجہ کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عربی زبان وادب کا دامن ہمیشہ سے وسیع رہا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جب قرآن مجید اس زبان میں نازل ہوا تو اس کا دامن مزید وسیع ہوا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہو بلا اس زبان کو کوئی خطرہ لاحق ہوسکتا ہے؟ مزید یہ کہ قرآن مجید کا یہ چیلنج قیامت تک کے لیے ہے کہ:

وان کنتم فی ریب ممانزلناعلی عبدنافاتوابسورۃ من مثلہ وادعواشھدآء کم من دون اللہ ان کنتم صدقین۔

اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتار لی ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں، تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنالاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلالو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو، مدد لے لو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ۔ (۲۵)

گو کہ یہ چیلنج جہاں قرآن مجید کے لیے معجزہ کے طور پر پیش کیا جاسکتا وہاں اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور اس کی فصاحت وبلاغت خود زبان کے لیے بھی ایک اعزاز ہے۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن: ۱۶:۲۷

۲۔ القرآن: ۲۳:۲۷

۳۔ القرآن: ۱۹:۲۷

۴۔ القرآن: ۲۹:۴۶۔۳۰

۵۔ ابن کثیر، ابوالفدا اعمادالدین، تاریخ ابن کثیر، پروفیسر کوکب شادانی مترجم، ص ۱۹۵، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء

۶۔ مولانا روم، حکایات رومی، مرزا نظام شاہ، ص ۱۴۸، شمع بک ایجنسی، کراچی ۲۰۰۰ء

۷۔ القرآن:۵۵:۳۔۴

۸۔ القرآن:۹۶:۴۔۵

۹۔ القرآن:۲:۳۰

۱۰۔ القرآن:۲:۳۱

۱۱۔ المنجد ص۱۰، دارالاشاعت، کراچی، جولائی ۱۹۷۵ء

۱۲۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی مع الشمائل النبوی، باب ۶۹،، مطبع مجتبائی، دھلی، ۱۳۴۱ھ

۱۳۔ المنجد ص۱۰، دارالاشاعت، کراچی، جولائی ۱۹۷۵

۱۴۔ ایضاً، ص۱۰

۱۵۔ القرآن:۴۲:۷

۱۶۔ پانی پتی، محمد اسماعیل، مقالات سرسید، ص۱۶۶، مجلس ترقی ادب، لاہور

۱۷۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، مقدمہ ابن خلدون، سعد حسن خان یوسفی مترجم، ص۵۳۱، میر محمد کتب خانہ، کراچی،

۱۸۔ ایضا، ص۵۳۰

۱۹۔ ایضا، ص۵۳۱۔۵۳۲

۲۰۔ دائرہ معارف اسلامیہ، ص۱۹۸، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۷۳ء

۲۱۔ ایضاً، ص۲۱۰

۲۲۔ ایضاً، ص۲۱۰، بحوالہ تہذیب الصحاح، ۱:۱۱۲

۲۳۔ ایضاً، ص۲۰۹

۲۴۔ ایضاً، ص۲۱۰، بحوالہ تفسیر ابن جریر، ۱۷:۱۲۹، Goldziher: مذاھب التفسیر الاسلامی (عربی ترجمہ)، ص۸۹تا۹۰

۲۵۔ القرآن:۲:۲۳

تحقیقی مقالات کی ترتیب وتدوین کے اصول

(ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی اور تخصص کے تھیسس لکھنے والے

ریسرچ اسکالرز کے لئے جامع ومانع رہنما کتاب)

ترجمہ

كيف نكتب بحثا أو رسالة دراسة منهجية (زير طبع)

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر احمد شلبی الازہری

(استاذ جامعۃ الازہری جامعہ قاہرہ وکیمرج یونیورسٹی برطانیہ)

مترجمین

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی	پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمن
صدر شعبہ اسلامیات قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج سپروائزر ایم فل/ پی ایچ ڈی ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان وفاقی اردو یونیورسٹی۔ کراچی یونیورسٹی	سابق پروفیسر بہاولپور یونیورسٹی